برّ صغیر ہند میں علم حدیث کے ابتدائی نقوش

محترمہ ثنا ناز

برّ صغیر ہند اگر چہ مسافت کے اعتبار سے مرکز اسلام سے بہت دور ہے، لیکن اسے یہ سعادت حاصل ہے کہ پہلی صدی ہجری ہی میں وہ اسلام کی نعمتوں سے سرفراز ہو گیا تھا اور اس کی رحمتیں اس پر سایہ فگن ہونے لگی تھیں۔اس طرح اس خطۂ ارض میں قرآن و حدیث کی تبلیغ و اشاعت کے روح پرور سلسلے کا آغاز ہو گیا تھا۔

ہندوستان ایک قدیم اور وسیع و عریض ملک ہے۔ یہاں کے لوگوں کے عربوں سے تعلقات قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں۔عرب تجارت پیشہ تھے۔ وہ آس پاس کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ ان کی تجارت کا سلسلہ اسلام سے بھی قدیم تھا، ملک عرب کی جائے وقوع کچھ ایسی ہے کہ وہاں سے دنیا کے اکثر مما لک میں سامان لایا اور لے جایا جا سکتا ہے۔علامہ سیّد سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ”ایک طرف عراق، دوسری طرف شام، تیسری طرف مصر اور افریقہ، سامنے ہندوستان اور ایک رخ پر ایران ہے۔ ان تمام ملکوں کے براہِ راست پرانے تعلقات تھے“ [۱]

عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بحرین ہمیشہ سے چین اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز تھا، جہاں اکثر ہندوستانی قافلے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ جہاز ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے ہو کر یمن کی بندرگاہ تک پہنچتے تھے اور وہاں سے سامانِ تجارت کو اونٹوں پر لاد کر خشکی کے راستے بحر احمر کے کنارے کنارے شام و

مصر تک پہنچایا جاتا تھا اور وہاں سے بحر روم ہوتے ہوئے یورپ تک لے جایا جاتا تھا ۔انہی تعلقات کی وجہ سے ہندوستان عہد رسالت میں بڑی حد تک اسلام سے روشناس و مانوس ہو گیا تھا۔ اسلام کے بعد عربوں کو ہندوستان کی طرف توجہ ہوئی اور یہاں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے کے لیے انہوں نے جدو جہد شروع کر دی۔

بّرِ صغیر ہند میں صحابہ کی آمد

مسلمانوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ہی سر زمین سندھ کو فتح کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ہندوستان پر پہلا حملہ اس وقت ہوا جب سن ۱۵ ھ میں حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو بحرین و عمان کا والی مقرر کیا۔ ۳؎ اسی سال حضرت عثمان بن ابی العاص نے عمان میں ایک بحری بیڑا تیار کرایا اور اپنے چھوٹے بھائی حکم بن ابی العاص ثقفی کی قیادت میں اسے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے کئی بندرگاہوں کو فتح کیا،لیکن ان پر قبضہ برقرار نہیں رکھا اور واپس عمان چلے گئے۔ ۴؎

اس طرح عہد فاروقی میں سندھ اور ہندوستان کے حدود و اطراف میں صحابہ اور تابعین کی آمد ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے زمانے تک مسلم فوجیں شام، مصر، عراق ،یمن ،ترکستان ،ماوراء النہر اور سندھ کے اکثر حصوں کو فتح کرتے ہوئے ہند میں داخل ہوگئیں۔عہد فاروقی میں ہندوستان کے جن علاقوں میں فتوحات ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) تھانہ (۲) بھروچ (۳) دیبل (۴) مکران کی پہلی فتح (۵) مکران کی دوسری فتح (۶) بلوچستان (۷) سجستان سے متصل سندھ کی فتوحات۔

جو صحابہ ہندوستان کی سرزمین پر وارد ہوئے ان کے نام اس طرح ہیں:

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں: (۱) حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ (۲) حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ (۳) حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفیؓ (۴) حضرت ربیع بن زیاد حارثی مذحجیؓ (۵) حکم بن عمر ثعلبی غفاریؓ (۶) حضرت

عبداللہ بن عبداللہ انصاری رض (۷) حضرت سہل بن عدی خزرجی رض (۸) حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی رض (۹) حضرت صحار بن عباس عبدی رض (۱۰) حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رض (۱۱) حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رض (۱۲) حضرت نسر بن دسیم ثوری عجلی رض ۔

حضرت عثمان رض کے دور خلافت میں: (۱) حضرت حکیم بن جبلہ عبدی رض (۲) حضرت عبیداللہ بن معمر تمیمی (۳) حضرت عمیر بن عثمان بن سعید رض (۴) حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رض (۵) حضرت عبدالرحمن بن سمرہ قرشی رض ۔

حضرت علی رض کے دور خلافت میں: (۱) حضرت خریت بن راشد ناجی سامی رض (۲) حضرت عبداللہ بن سوید تمیمی رض (۳) حضرت کلیب ابووائل رض ۔

حضرت معاویہ رض کے عہد حکومت میں: (۱) حضرت مہلب بن ابی صفرہ ازدی عتکی رض (۲) حضرت عبد اللہ بن سوار عبدی رض (۳) حضرت یاسر بن سوار عبدی رض (۴) حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رض ۔

یزید کے دورِ حکومت میں: حضرت منذر بن جارود عبدی رض

سندھ میں محمد بن قاسم سے قبل اشاعتِ حدیث کی خدمت انجام دی گئی یا نہیں؟ اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، البتہ ۹۳ ھ میں جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو ان کی نگرانی میں سندھ آنے والی فوج میں کچھ ایسے اشخاص تھے جن کو قرآن وحدیث پر مکمل عبور حاصل تھا۔ انہی حضرات نے فتح سندھ کے بعد یہاں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی اور اسلامی علوم کے مراکز قائم کئے۔

دورِ اوّل کے محدثین

دور اوّل میں چند محدثین ہندوستان تشریف لائے، جنہوں نے یہاں اسلامی علوم اور خاص طور پر علم حدیث کی اشاعت کی۔ ان علوم کی اشاعت پہلے سندھ کے مغربی علاقوں میں ہوئی، پھر مشرقی علاقوں میں۔ کیوں کہ مسلمانوں نے پہلے مغربی علاقوں کو، اس کے بعد مشرقی علاقوں کو فتح کیا تھا، پھر پورے ملک میں حدیث کی روشنی پھیلنے لگی۔

دورِ اوّل کے چند محدثین درج ذیل ہیں:

موسیٰ بن یعقوب

ان کا پورا نام موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی تھا۔ ۵؎ وہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے اور مستقل طور پر وہیں سکونت گزیں ہو گئے تھے۔ اسی بنا پر محمد بن قاسم نے انہیں ارور کی مسند قضا پر فائز کیا تھا۔ موسیٰ کا خاندان دیارِ ہند کا مشہور خاندان تھا۔ ان کو **الصدر الامام الاجل بدر الملة والدین سیف السنة ونجم الشریعة** کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ ۶؎

یزید بن ابی کبشہ

ان کا پورا نام یزید بن ابی کبشہ بن یسار بن حیّ بن قرط بن شبل تھا۔ ۷؎ والد محترم کا نام جبریل اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ یہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ان کو ولید بن عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ابن حبان نے ان کو روایتِ حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنے والد ابو کبشہ اور مروان سے بھی روایت کی ہے۔ ۸؎ امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "**کان عریف السکاسک**۔" ۹؎ (یہ سکسکیوں کے امیر اور سرکردہ آدمی تھے۔) ان کے بارے میں یہ بھی منقول ہے: "**ولی العراقیین**" ۱۰؎ (عراقیوں کے والی رہے۔)

یہ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں 'امیر جنگ' کے عہدہ پر فائز تھے۔ ابو بشر کہتے ہیں: "میں نے شام میں یزید بن ابی کبشہ سے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ سنے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ میں نے رسول ﷺ کے ایک صحابی سے سنا ہے۔ وہ عبد الملک بن مروان کو بتا رہے تھے کہ کوئی شخص شراب نوشی کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔" ۱۱؎

یزید بن ابی کبشہ کو آخری زمانے میں سندھ کا والی بنا دیا گیا تھا۔ انہوں

نے سندھ آنے کے بعد ابھی اپنے فرایضِ امارات ادا کرنے شروع کیے ہی تھے کہ اٹھارہ دن کے بعد ہی (۹۶ھ میں) وفات پا گئے۔ ۱۲؎

مہلب بن ابی صفرہ

ان کی کنیت ابوسعید تھی اور ان کا تعلق قبیلۂ بنو ازد سے تھا۔ ۱۳؎ انھوں نے متعدد صحابہ، مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، سمرہ بن جندب اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ ۱۴؎

ابوصفرہ اپنے دس بیٹوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سب سے چھوٹے مہلب تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "**ھذا سیدو لدک۔**" ۱۵؎ (یہ تمھاری اولاد کا سردار ہے)

مہلب نے علم وفضل کے میدان میں بڑی شہرت حاصل کی۔ سیاسی سرگرمیوں میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے۔ عرصۂ دراز تک خراسان کا منصبِ امارت ان کے سپرد رہا۔ مہلب بن عبدالرحمن بن سمرہ کے ماتحت سپہ سالار کی حیثیت سے وہ سجستان آئے، پھر عہد معاویہ میں ایک فوجی کی حیثیت سے حدودِ ہند میں داخل ہوئے۔ ۴۴ھ میں اس دستے نے ہندوستان کے بعض علاقوں کو پامال کرتے ہوئے سندھ کے ایک شہر کا رخ کیا اور آگے بڑھتا گیا۔

مہلب احادیث کا علم رکھتے تھے، مگر وہ احادیث کی زیادہ اشاعت نہ کر سکے، کیوں کہ ان کا قیام ہندوستان میں بہت مختصر رہا۔ مہلب ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے خراسان کے شہر مرو میں ۸۳ھ میں وفات پائی۔ ۱۶؎

اسرائیل بن موسیٰ

ان کا نام اسرائیل، کنیت ابوموسیٰ اور والد کا نام موسیٰ تھا۔ ان کی کنیت والد کے نام پر تھی۔ ۱۷؎ اسرائیل بن موسیٰ تاجر کی حیثیت سے ہندوستان آتے رہتے تھے۔ یہاں ان کی برابر آمد ورفت رہتی تھی۔ بصرہ کے رہنے والے تھے، اسی وجہ

سے 'بصری' کی کنیت سے مشہور ہوئے ۔ وہ ہندوستان کا اتنا سفر کرتے تھے کہ ان کا لقب ہی 'نزیل الہند' پڑ گیا تھا۔ ۱۸؎

اسرائیل بن موسیٰ تبع تابعین میں سے ہیں ۔ انہوں نے تابعین کی صحبت میں رہ کر اکتسابِ فیض کیا تھا۔ ان کا دور علمی حیثیت سے تاریخ اسلام کا دور زریں تھا۔ اس وقت سرزمینِ بصرہ دینی علوم کا گہوارہ تھا۔ امام حسن بصریؒ اس خطے میں اپنے فیض کا چشمہ جاری کیے ہوئے تھے ۔ اسرائیل بن موسیٰ نے ان سے بھی استفادہ کیا۔ امام حسن بصری کی صحبت نے انہیں اور زیادہ چمکا دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ اور کبار تابعین سے انہیں اکتسابِ فیض کا موقع ملا، جن میں ابو حازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ ۱۹؎

ابو موسیٰ نے اپنے اوصافِ حمیدہ کی بنا پر بلند مقام حاصل کرلیا تھا۔ ان کے آفتابِ فیض کی کرنوں سے دنیا کے مختلف خطے روشن ہوئے ، چنانچہ ہندوستان بھی اس دولتِ بے بہا سے منوّر رہا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ان کے حلقۂ درس سے جو طالبانِ علم بھی حدیث کا درس لے کر نکلے وہ آسمانِ علم و دانش پر مہر و ماہ بن کر چمکے ۔ ان کے نام درج ذیل ہیں :

سفیان ثوری ،سفیان بن عینیہ،حسین بن علی الجعفی، یحیی بن سعید القطان۔ ۲۰؎

ابو موسیٰ کے مرتبۂ ثقاہت کا ثبوت یہ ہے کہ حدیث کے جامعین اور ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے: **'کان یسافر الی الھند'** ۲۱؎ (ہندوستان میں آمد و رفت رکھتے تھے۔)

ابو حاتم اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور یحییٰ بن معین کہتے ہیں :

"اسرائیل صاحب الحسن ثقة" ۲۲؎

اسرائیل، جو حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں، ثقہ راوی ہیں ۔

ابو حاتم ان کے متعلق فرماتے ہیں : **لا بأس به** ۔ ۲۳؎ (ان کی روایت

قابل قبول ہے۔)

امام نسائی کا قول ہے: **لیس بہ بأس**۔ ۲۴؎

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''وهو بصرى ،كان يسا فر فى التجا رة الى الهند وأقا م بهامدة''۔۲۵؎

وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے تھے اور وہاں عرصہ تک مقیم رہے تھے۔

حاتم رازی لکھتے ہیں: **''اسرائیل بن موسیٰ ابو موسی کان ینزل الھند''** ۲۶؎ (اسرائیل بن موسیٰ ابوموسیٰ ہندوستان میں قیام کرتے تھے۔)

افسوس کہ دوسری صدی ہجری کے اس ممتاز محدث اور تابعی کے سنینِ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکے۔ حافظ ابن حجرؒ نے 'تقریب التہذیب' میں ان کا شمار چھٹے طبقہ میں کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی وفات دوسری صدی ہجری کے آخر میں ہوئی ہوگی۔

ربیع بن صبیح

ہندوستان میں ربیع بن صبیح کو ایک محدث کی حیثیت سے جو مقام و مرتبہ حاصل ہوا وہ کسی اور کو نہ حاصل ہو سکا۔ اگرچہ وہ بھی ہندوستان جہاد کی غرض سے آئے تھے، لیکن وہ بحیثیت محدث مشہور و معروف ہیں۔

ان کا نام ربیع اور والد کا نام صبیح ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر اور ابوحفص تھی، مگر زیادہ شہرت ابوحفص کو ہی حاصل ہوئی۔ قبیلۂ بنوسعد کے آزاد کردہ غلام تھے، اسی لیے اس کی طرف منسوب ہو کر 'سعدی' کہلائے۔ ۲۷؎ الاعلام میں ان کا نام 'ربیع بن صبیح السعدی البصری ابوبکر' لکھا گیا ہے۔۲۸؎

ان کا وطن اصلی بصرہ تھا۔ انہوں نے جس عہد میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا وہ اسلامی علوم وفنون کا عہد زریں تھا۔ اس زمانے میں اسلام ہر اعتبار سے

ترقی کی راہ پر گام زن تھا۔ مجاہدین اسلام کے قافلے رواں دواں تھے۔ پورا عالم اسلام دینی علوم وفنون سے معمور تھا۔ اس دور میں بصرہ اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اسی ماحول سے وہ بھی فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے جلیل القدر صحابہ اور اساطین علوم نبوی کے دیدار سے آنکھوں کو منور کیا۔ بصرہ میں اس عہد کی سب سے بڑی اور پرکشش شخصیت امام حسن بصریؒ کی تھی۔ ربیع بن صبیح نے ان سے بھرپور فیض اٹھایا۔ ان کے علاوہ جن دوسرے شیوخ سے بھی استفادہ کیا تھا، ان کے نام یہ ہیں:

عطا بن ابی رباح، یزید رقاشی، قیس بن سعد[۲۹]، حمید الطویل، ابو الزبیر، ابو غالب، ثابت البنانی، مجاہد بن جبیر وغیرہ[۳۰]

ربیع بن صبیح نے تحصیل علم کے بعد خود مسندِ تدریس بچھائی۔ ان کے چشمۂ علم سے جو اشخاص سیراب ہوئے ان میں اس دور کے تمام علوم وفنون کے مشہور ائمہ شامل ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، وکیع بن الجراح، ابو داؤد طیالسی، ابو ولید طیالسی، آدم ابو ایاس، عاصم بن علی۔[۳۱]

ربیع بن صبیح اتباع تابعین کے زمرے میں بہت نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ تمام ائمہ نے ان کے علم وفضل اور اوصاف وکمالات کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے بیان کیا ہے:

"ربیع بن صبیح سچے، عابد وزاہد اور مجاہد تھے۔"[۳۲]

امام ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"شیخ صالح صدوق۔"[۳۳] (سچے اور نیک بزرگ تھے۔)

امام شعبہ کا قول ہے:

"الربیع من سادات المسلمین۔"[۳۴]

امام ربیع مسلمانوں کے سرکردہ لوگوں میں سے ہیں۔

بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام شعبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فرما رہے

تھے:

”ان فی الربیع خصالاً لا تکون فی الرجل واحدۃ منھا“۔ ۳۵؎

بلا شبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک ہیں جن میں کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

علماء اور ائمہ دین کی کثیر تعداد نے ربیع بن صبیح کی ثقاہت کی شہادت دی ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے ربیع بن صبیح کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

”لا بأس بہ، رجل صالح۔“ ۳۶؎

ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ صالح آدمی تھے۔

عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے ربیع بن صبیح کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

”لیس بہ بأس“ ۳۷؎

ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابن عدی کا قول ہے:

”لہ أحادیث صالحۃ مستقیمۃ، ولم أرلہ حدیثاً منکراً، وأرجو انہ لا بأس بہ ولا بروایاتہ“ ۳۸؎

ان کی حدیثیں بالکل درست ہیں۔ مجھے ان کی کسی منکر حدیث کا علم نہیں، میرا خیال ہے کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البتہ بعض علماء نے ان کے بارے میں نقد و جرح کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ ابن المدینیؒ فرماتے ہیں:

ھو عندنا صالح ولیس بالقوی۔ ۳۹؎

وہ ہمارے نزدیک نیک آدمی تھے، مگر قوی نہیں تھے۔

حاکم کا قول ہے:

”لیس بالمتین عندھم“ ۴۰؎

وہ محققین کے نزدیک قوی نہیں تھے۔

ربیع بن صبیح نے دینی علوم اور خاص طور پر علم حدیث میں بڑی شہرت حاصل کی تھی، مگر بعد میں وہ محدث اور فقیہ سے زیادہ صاحب زہد وتقویٰ اور مجاہد کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ ابن حبان نے لکھا ہے:

"کان من عبّاد أھل البصرۃ وزھّادھم، وکان یشبہ بیتہ باللیل بیت النحل من کثرۃ التھجد" ۴۱؎

وہ بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور صاحبِ ورع تھے۔ کثرتِ تہجد کی بنا پر ان کا گھر شب میں شہد کی مکھی کا چھتہ بن جاتا تھا۔

ان کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"کان الربیع بن صبیح غزّاء" ۴۲؎

ربیع بن صبیح زبردست غازی ومجاہد آدمی تھے۔

احادیث کو بہت سے ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا۔ ان میں ربیع بن صبیح کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔ انہیں حدیث میں اہلِ بصرہ میں اسلام کی قدیم ترین صاحبِ تصنیف شخصیت قرار دیا گیا ہے۔ رامہرمزی نے لکھا ہے:

انّہ اول من صنف بالبصرۃ۔ ۴۳؎

ربیع بصرہ کے سب سے پہلے مصنف ہیں۔

ربیع بن صبیح کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے۔ بیٹوں میں عبدہ بن ربیع بن صبیح اور سلمان بن ربیع ہندی ہیں، جو علم وفضل میں بلند مرتبے پر فائز تھے۔ ان کی بیٹی کا نام معلوم نہیں، لیکن محدث اسحاق بن عباد کو ان کا نواسہ قرار دیا گیا ہے۔ ابو حاتم نے انھیں 'ابن ابنتہ' لکھا ہے، جس سے علم ہوتا ہے کہ ان کی ایک لڑکی بھی تھی۔ ۴۴؎

عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کے زیر قیادت ایک بحری بیڑا ہندوستان روانہ کیا۔ صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک بندرگاہ تھی۔ سمندری راستے سے جہاز وہاں آتے جاتے تھے۔ فوج کے والنٹیرس کی جماعت کے افسرِ اعلیٰ ربیع بن صبیح تھے۔ فوج نے بھاڑ وبھڑوچ کی زمین پر قدم رکھنے

کے دوسرے دن ہی حملہ کر دیا۔ جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زبردست فتح وکامرانی نصیب فرمائی۔ دشمنوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس طرح بھاڑ وبھڑوچ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلم فوج نے جب واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا اسی زمانے میں سمندر میں طغیانی آئی، جس کی وجہ سے فوج کی واپسی ممکن نہ ہو سکی اور اسے سمندر کے پرسکون ہونے تک وہیں قیام کرنا پڑا۔ اسی زمانے میں 'حمام قر' نام کی ایک مہلک بیماری پھیلی، جس میں مبتلا ہو کر بہت سے فوجی جاں بہ حق ہو گئے، جس میں ربیع بن صبیح بھی تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

"خرج غازياً الى الهند فى البحر، فمات فدفن فى جزيرة من جزائر البحر سنة ستين ومائة" ۴۵؎

وہ سمندری راستے سے جہاد کرنے ہندوستان آ گئے تھے۔ وہیں ۱۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور وہ کسی جزیرے میں مدفون ہوئے۔

نزهة الخواطر میں بیان کیا گیا ہے:

كانت وفاته فى سنة ستين ومائة بأرض السند۔ ۴۶؎

ان وفات سرزمین سند میں ۱۶۰ھ میں ہوئی۔

ابومعشر نجیح سندھی

ابومعشر بن عبدالرحمن سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور ومعروف راوی حدیث اور تبع تابعی گزرے ہیں۔ وہ غلامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد بھی علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں معروف تھے۔ وہ سندھی الاصل تھے۔ ابونعیم کہتے ہیں:

"كان ابو معشر سندياً وكان رجلاً ألكن يقول حدثنا محمد بن قعب ويريد ابن كعب" ۴۷؎

ابومعشر سندھی تھے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ وہ حدثنا محمد بن قعب کہتے تھے اور قعب سے مراد کعب ہوتا تھا۔

نجیح بن عبدالرحمن سندھی ابومعشر کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۴۸؎ ان کا اصل وطن سندھ تھا۔ ۴۹؎ سندھ کی کسی جنگ میں، جو مسلمانوں اور اہل سندھ کے

درمیان ہوئی تھی، ابومعشر گرفتار کر کے حجاز لے جائے گئے اور وہاں بنی مخزوم کی ایک عورت کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے۔ پھر خلیفہ مہدی کی ماں نے انہیں رقمِ کتابت ادا کر کے آزاد کر دیا تھا۔ ۵۰؎

ابومعشر نجیح سندھی کی زندگی کا زیادہ عرصہ غلامی کی حالت میں گزرا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں نے انھیں تحصیل علم کے پورے مواقع بہم پہنچائے تھے۔ وہ مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کے اہلِ علم سے فیض یاب ہوئے۔ وہ علم حدیث، مغازی اور فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی مکمل دست رس رکھتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ''وہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود علم کا مخزن تھے''۔ ۵۱؎

ابومعشر کے علم وفضل کو تمام علماء ومحدثین نے سراہا ہے۔ ابوحاتم نے لکھا ہے کہ وہ ثقہ اور نیک شخص ہیں، روایتِ حدیث میں کم زور مگر سچے ہیں۔ ابن عدیؒ نے بیان کیا ہے:

''حدث عنه الثقات مع ضعفه، یکتب حدیثه''۔ ۵۲؎

ثقہ لوگوں نے ان سے روایت کی ہے، ضعف کے باوجود ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔

خلیفہ مہدی ابومعشر کے علم وفضل کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہ اس کی ماں کے غلام رہ چکے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً حج کے موقعہ پر دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ مہدی نے ان کو اپنے خیمے میں بلایا، ان کی بڑی قدر افزائی کی اور ان کو ایک ہزار دینار بہ طور تحفہ پیش کئے۔ وہ ۱۶۰ھ میں انھیں اپنے ساتھ مدینہ سے بغداد لے گیا اور تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی۔ چنانچہ ابومعشر وہیں قیام پذیر ہوگئے۔

ابومعشر کے شیوخ میں درج ذیل نام مذکور ہیں:

محمد بن کعب القرظی، نافع مولی بن عمر، سعید المقبری، محمد بن المنکدر، ہشام بن عروہ، ابو بردہ بن ابی موسی، موسی بن یسار، محمد بن قیس وغیرہ ۵۳؎

ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء سے انہوں نے اکتساب فیض کیا اور علم حدیث میں مہارت حاصل کی۔ انھوں نے ایک علمی حلقہ قائم کیا تھا، جہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔

ابو معشر کے حلقۂ درس سے بڑی تعداد نے فیض اٹھایا۔جن شاگردوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

سفیان ثوری، یزید بن ہارون، محمد بن عمر الواقدی، محمد بن بکار، عبد الرزاق، ابونعیم، لیث بن سعد، وکیع بن جراح، سعید بن منصور'' ۵۴ ۔

ابو معشر کے صرف ایک بیٹے کا ذکر ملتا ہے، جس کا نام محمد بن ابی معشر تھا۔ اس کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی تھی، لیکن وہ مدینہ زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکا، بلکہ اپنے والد کے ساتھ بغداد آ گیا۔ محمد بن ابی معشر بھی صاحب علم وفضل تھے۔ چنانچہ انھوں نے علم وفضل اور مغازی پر بہت جلد عبور حاصل کرلیا تھا۔ محمد ننانوے (۹۹) سال کی عمر میں ۲۴۷ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ۵۵ ۔

ابو معشر صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ ان کی کتاب المغازی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک ہی کتاب ہے جس کو خلیلی تاریخ اور ابن ندیم کتاب المغازی کہتے ہیں۔ ابن ندیم نے لکھا ہے:

> ''عارف بالأحداث والسير وأحد المحدثين, وله من الكتب كتاب المغازی'' ۵۶ ۔

وہ تاریخ اور سیر کے عارف اور محدث تھے۔ ان کی ایک کتاب المغازی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے ابو معشر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''ابو معشر المدینی (م ۱۷۰ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے۔ محدثین نے روایتِ حدیث میں ان کی تصنیف کا ذکر کیا ہے، لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس

فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا
ہے۔ سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے'' ۵۷۔

ابو معشر کا شمار قدیم ترین محدثین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے، بالخصوص حدیث و مغازی میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔

ابو معشر نے رمضان المبارک ۱۷۰ھ میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ ۵۸۔ خلیفہ ہارون رشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ بغداد کے مقبرہ کبیرہ میں مدفون ہوئے۔

رجاء السندی

رجا سندی ایک ہندوستانی غلام کے لڑکے تھے۔ وہ تیسری صدی ہجری کے محدث تھے۔ وہ نیشاپور کے شمالی ضلع اسفرائین میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اسی لیے اسفرائینی کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے:

''رجاء السندی النیسابوری أبو محمد الاسفرائینی، روی عن
أبی بن عیاش وابن المبارک وابن عیینة وابن ادریس وحفص
بن غیاث غیرھم'' ۵۹۔

ابو محمد رجاء سندی نیشاپوری اسفرائینی نے ابو بکر بن عیاش، عبد اللہ بن
مبارک، سفیان بن عینیہ، ابن ادریس اور حفص بن غیاث وغیرہ سے
روایت کی۔

رجاء سندی نے خراسان میں مشہور و معروف محدثین سے درس لیا۔ انھوں نے اپنی تعلیمی زندگی کا بیش تر وقت کوفہ میں بسر کیا اور فن حدیث میں کمال پیدا کیا۔ یہاں تک کہ انہیں محدثین میں شمار کیا جانے لگا۔ وہ بڑے عابد و زاہد، متقی اور عبادت گزار شخص تھے۔ حدیث سے ان کو خاص شغف تھا۔ ان کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے:

''رکن من أرکان الحدیث'' ۶۰۔

وہ حدیث کے ارکان میں سے تھے۔

رجاء سندی نے علم حدیث کی اشاعت میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ علم حدیث میں عبور حاصل کرنے کے بعد اپنے شہر اسفرائین واپس چلے گئے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو حدیث کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا، چنانچہ ان کے خاندان میں بہت سے حفاظ حدیث ہوئے۔

رجاء سندی کے صاحب زادے کا نام محمد تھا۔ وہ اپنے والد سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بلخ چلے گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد حج کے لیے مکہ گئے اور وہاں کے علماء ومحدثین سے علم حاصل کیا۔ حج سے واپسی کے وقت بغداد گئے اور وہاں کے علماء سے بھی حدیث پڑھی، پھر وہیں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ کچھ مدت وہاں قیام کے بعد اسفرائین چلے گئے اور وہاں خود کو علمی خدمت کے لیے وقف کردیا۔

رجاء سندی کے پوتے کا نام بھی محمد تھا۔ اس کی پیدائش ۲۰۶ھ میں ہوئی تھی۔ ان کا شمار تیسری صدی ہجری کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ” الحافظ الامام أبو بكر الاسفرائینی مصنف الصحیح ومخرجه علی کتاب مسلم، سمع اسحاق بن راهویه واحمد بن حنبل وعلی بن المدینی وابن نمیر وأبا بکر بن أبی شیبه وأمثالهم، وأکثر الترحال، روی عنه أبو عوانه وأبوحامد بن الشرقی ومحمد بن صالح بن هانی وابن حزم وابو النصر محمد بن محمد وآخرون“ [۶۱]

حافظ امام ابوبکر اسفرائینی صحیح مسلم کے تخریج کنندہ ہیں۔ انہوں نے اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابن نمیر، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ان جیسے دوسرے اعلام محدثین سے سماع احادیث کیا۔ یہ کثیر الاسفار تھے۔ ان سے ابوعوانہ، ابو حامد بن مشرقی، محمد بن صالح

بن ہانی، ابن حزم، ابو نصر محمد بن محمد اور دوسرے حضرات نے روایتِ حدیث کی ہے۔

محمد بن محمد بن رجاء حافظ امام تھے۔ وہ اپنے دور کے عظیم محدث تھے۔ بشر بن احمد کا بیان ہے کہ ان کی وفات ۲۸۶ھ میں اسّی سال کی عمر میں ہوئی۔۶۲؎

رجاء کے ہم عصر محدثین میں جن نام ور محدثین کا شمار ہوتا ہے ان میں احمد بن حنبل، بکر بن خلف، ابراہیم بن موسیٰ رازی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے رجاء سندی سے احادیث سماعت کی ہیں۔ ۶۳؎

رجاء سندی ایک معتبر اور ثقہ راوی تھے۔ انھیں عربی زبان پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔ عربی الفاظ کے صحیح انتخاب اور ادائیگی پر انھیں قدرت کاملہ حاصل تھی۔ بکر بن خلف نے کہا ہے:

"مارأیت افصح منه" ۶۴؎

میں نے ان سے زیادہ فصیح وخوش بیان مقرر نہیں دیکھا۔

رجاء نے شوال ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ اسمٰعیل لاہوری

شیخ اسمٰعیل لاہوری سلطان محمود کے آخری زمانے میں ۳۹۵ھ میں بخارا سے ہندوستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ اسی وجہ سے لاہوری کہلائے۔۶۵؎ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، نرم مزاج، عدل پرور، صداقت پسند اور علم کے خوگر تھے۔ ان کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے لاہور میں اسلام کی اشاعت کی۔ وہ حدیث وتفسیر کے جامع البحرین اور بڑے مؤثر البیان تھے۔ ان کا درس سننے کے لیے لوگ بہت بڑی تعداد میں دور دور سے آتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

وہ حدیث سے محبت وعقیدت کے پر جوش جذبے سے سرشار تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے میں لاہور حدیث کا ایک مرکز بن چکا تھا۔ شاہد حسین رزاقی نے لکھا ہے:

''سمعانی نے کتاب الانساب میں جہاں ان محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے لاہور میں زندگی بسر کی اور اس شہر سے نسبت رکھتے تھے۔ وہاں شیخ اسمٰعیل کا بھی تذکرہ کیا ہے۔۶۶ ان کی وفات ۴۴۸ھ میں ہوئی اور وہ لاہور کے باہر جنوب کی طرف مدفون ہوئے۔۶۷

حواشی و مراجع

۱۔ سید سلیمان ندوی ،عرب و ہند کے تعلقات، مشعل بکس، بلاک نیو گارڈن ٹاون، لاہور ۲۰۰۴ئ، صفحہ ۲۷۔

۲۔ محمد اسحٰق بھٹی، برّصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، مکتبہ ملت دیو بند ۲۰۰۲ئ، صفحہ ۴۱۔

۳۔ بلاذری ،فتوح البلدان،، مطبع مصر ازہر ۱۳۵۰ھ، طبع اول، صفحہ ۴۲۰۔

۴۔ حوالۂ سابق۔

۵۔ عبدالحی الحسنی ،نزہۃ الخواطر، دار ابن حزم، بیروت لبنان ۱۴۲۰ھ، طبع اول، ۱/ ۵۰۔

۶۔ حوالۂ سابق۔

۷۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن، ۱۳۲۵ھ، طبع اول، ۱۱/ ۳۵۴ ۸۔حوالۂ سابق ۹۔ حوالۂ سابق ،صفحہ ۳۵۵

۱۰۔ حوالۂ سابق ۱۱۔ حوالۂ سابق ۱۲۔ حوالۂ سابق، ۱۱/ ۳۵۴

۱۳۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، طبع اول، ۱۳۲۸ھ، ۳/ ۵۳۵، ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر بیروت ۱۳۷۷ھ، ۷/ ۳۰۔ ۱۴۔حوالۂ سابق، ۳/ ۵۳۶

۱۵۔ حوالۂ سابق، ۳/ ۵۳۵ ۱۶۔الطبقات الکبری، ۳/ ۳۰، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/ ۵۳۶

۱۷۔ ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی، تبع تابعین، دار المصنفین شبلی اکیڈمی ۲۰۰۸ئ، ۲/ ۸۶۔

۱۸۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱، تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱۔

۱۹۔ ذہبی، میزان الاعتدال، ۱/ ۹۷، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱، تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱۔

۲۰۔ تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱۔ ۲۱۔حوالۂ سابق

۲۲۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱۔ ۲۳۔ تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱۔

۲۴۔ حوالۂ سابق ۲۵۔بحوالہ فتح الباری، ۵/ ۲۵۔

۲۶۔ حاتم الرازی، الجرح والتعدیل

۲۷۔ الطبقات الکبری، ۲/ ۲۲۷، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵، تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۴۷۔

۲۸۔ خیرالدین الزرکلی، الاعلام، ۳/۳۹۳، عمر رضا کحالہ، معجم المولفین، ۴/۱۵۱، التراث العربی، طبع دوم
۲۹۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۴۷، نزہۃ الخواطر، ۱/۴۵۔ ۳۰۔ حوالۂ سابق
۳۱۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۴۵۔ ۳۲۔ حوالۂ سابق ۳۳۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۴۸۔
۳۴۔ حوالۂ سابق، میزان الاعتدال، ۱/۳۳۴، طبع اول ۱۳۲۵ھ
۳۵۔ میزان الاعتدال، ۱/۳۳۴۔
۳۶۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۴۷، میزان الاعتدال، ۱/۳۳۴۔
۳۷۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۴۷۔
۳۸۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۴۵، تہذیب التہذیب، ۳/۲۴۸۔
۳۹۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۴۸۔
۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۴۵ تہذیب التہذیب ۳/۲۴۸۔ ۴۱۔ حوالۂ سابق
۴۲۔ میزان الاعتدال، ۱/۳۳۴ تہذیب التہذیب ۳/۲۴۷۔
۴۳۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۴۵۔ ۴۴۔ تبع تابعین، ۲/۱۷۲۔
۴۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۲۷۷۔ ۴۶۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۴۵۔
۴۷۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۵۰، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۳۵، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد، دکن ۱۳۸۸ھ، طبع چہارم، ۱/۲۳۵ ۴۸۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۴۱۹۔
۴۹۔ نزہۃ الخواطر، ۱/۵۰۔
۵۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۳۴، الطبقات الکبریٰ، ۵/۴۱۸، طبع بیروت ۱۳۷۷ھ
۵۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۳۴ ۵۲۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۴۲۱
۵۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۳۵ تہذیب التہذیب، ۱/۴۲۰۔
۵۴۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۴۲۰۔ ۵۵۔ حوالۂ سابق ۵۶۔ ابن ندیم، الفہرست، صفحہ ۱۳۶
۵۷۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۴۵۸ھ، ۱/۳۵۔
۵۸۔ الطبقات الکبریٰ، ۵/۴۸۱، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۳۵، نزہۃ الخواطر، ۱/۵۰۔
۵۹۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۶۷۔ ۶۰۔ تہذیب التہذیب، ۱/۲۶۱۔
۶۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۲۸۶۔
۶۲۔ حوالۂ سابق ۶۳۔ تہذیب التہذیب، ۳/۲۶۸۔ ۶۴۔ حوالۂ سابق
۶۵۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴، صفحہ ۱۷۹۔
۶۶۔ حوالۂ سابق
۶۷۔ حوالۂ سابق، مولوی فقیر محمد، حدائق حنفیہ، مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ، ص ۱۹۴۔